معاشرہ میں عدل وانصاف

تقاضے اور اسلامی تاریخ

ڈاکٹر ساجد خاکوانی
اسلام آباد

اللہ تعالیٰ نے کل انسانیت کو ایک آدم علیہ السلام کی نسل سے جنم دے کر پہلے دن سے ہی سماجی انصاف کی بنیاد رکھ دی تھی۔ اسی بات کو قرآن مجید نے یوں بیان کیا کہ:

''یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ بَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِیْرًا وَّ نِسَآءً'' (النساء:۱)

ترجمہ: ''لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اسی جان سے اس کا جوڑا بنایا، اور ان دونوں سے بہت سے مرد و عورت دنیا میں پھیلا دیئے۔''

اور اسی سماجی انصاف کو محسنِ انسانیت ﷺ نے اپنے آخری خطبے میں یوں بیان کر دیا کہ تم سب ایک آدم علیہ السلام کی اولاد ہو اور آدم علیہ السلام مٹی سے بنے تھے، پس کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فضیلت نہیں اور کسی عجمی کو کسی عربی پر کوئی فضیلت نہیں سوائے تقویٰ کے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ'' (الحجرات:۱۳)

ترجمہ: ''لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا، پھر تمہاری قومیں اور برادریاں بنا دیں، تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو، درحقیقت اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تمہارے اندر سب سے زیادہ پرہیزگار ہے، یقیناً اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا اور باخبر ہے۔''

مذاہب کی تقسیم میں بھی اللہ تعالیٰ نے کسی طرح کی تفریق سے کام نہیں لیا اور اپنی آخری

کتاب میں برملا اعلان کر دیا کہ:

''اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ الَّذِیْنَ هَادُوْا وَ النَّصٰرٰی وَ الصّٰبِـِٕیْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَ لَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ'' (البقرۃ:۶۲)

ترجمہ: ''بے شک ایمان والے ہوں یا یہودی ہوں یا عیسائی ہوں یا صابی، جو کوئی بھی اللہ تعالیٰ پر اور روزِ آخرت پر ایمان لائے گا اور نیک عمل کرے گا اس کا اجر اس کے رب کے پاس محفوظ ہے اور اس کے لیے کچھ خوف اور غم نہیں۔''

اللہ تعالیٰ کی ایک صفتِ ازلی ''عدل'' ہے اور وہ رب کل کائنات کے ساتھ عدل کرنے والا ہے، چنانچہ انسانی معاشرے میں بھی مہلت عمل کے آغاز یعنی پیدائش تک اس عادلِ مطلق نے عدل کو انتہائی حد تک انسان کے اندر دخیل کیا ہے۔ بظاہر ایک طرف سے محرومی ہے تو دوسری طرف سے اس کا بہترین اِزالہ کر دیا، جیسے بینائی سے محروم کیا تو بے پناہ حافظہ عطا کر دیا، ذہنی صلاحیتیں کم تر ملیں تو جسمانی وجود کو قوت و طاقت سے بھر دیا، رنگت اور شکل وصورت میں مقابلۃً کمی بیشی کا شکار ہوا تو خاندانی وجاہت سے اس کمی کو پورا کر دیا، علیٰ ہٰذا القیاس، غرض قدرت کے ہاں سے کل انسان ایک عدلِ اجتماعی کا مجسم پیکر بن کر اس دنیا میں بھیجے گئے۔

انبیاء علیہم السلام نے جو تعلیمات انسانیت تک پہنچائیں، ان میں سماجی عدلِ اجتماعی کی ایک لحاظ سے مرکزی حیثیت رہی۔ محسنِ انسانیت ﷺ نے فرمایا کہ تم سے پہلی قومیں اس لیے تباہ ہوئیں کہ جب ان کے چھوٹے (طبقے کے لوگ) جرم کرتے تو اُنہیں سزا دی جاتی اور جب ان کے بڑے (طبقے کے لوگ) جرائم کرتے تو اُنہیں چھوڑ دیا جاتا۔ جہاں جہاں انسانوں کے اس مقدس ترین طبقے کو اقتدار میسر آیا تو انہوں نے انسانوں کے درمیان عدل وانصاف قائم کیا اور ظلم وجور سے انسانی معاشروں کو پاک صاف کرتے چلے گئے۔ خاص طور پر محسنِ انسانیت ﷺ نے جس معاشرے کی بنیاد رکھی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی قیادت میں اس کو تشکیل دیا، اس معاشرے کا تو خاصہ ہی سماجی عدل و انصاف ہے۔ نماز کے اندر پہلے آیئے پہلے پایئے کی بنیاد پر جگہ ملتی ہے، کسی خان صاحب، چوہدری صاحب، ملک صاحب یا پیر صاحب وغیرہ کے لیے کسی طرح کی مراعات نہیں ہیں، بس جو پہلے آئے گا وہ مقرب ومعزز جگہ پر مقام پائے گا اور جو دیر سے پہنچے گا وہ پچھلی صفوں میں کھڑا ہوگا۔ اسی طرح روزے میں بھی معاشرے کے سب طبقات اور تمام افراد کے لیے ایک ہی وقت پر روزہ شروع ہوتا ہے اور ایک ہی وقت پر اختتام پذیر ہوتا ہے۔ عدلِ اجتماعی کی ایک اور تاریخ ساز اور عہد آفریں مثال مناسکِ حج ہیں، جن میں صدہا سالوں سے ایک بڑے کے گھر میں سب چھوٹے کلیۃً معاشرتی عدل کے پیمانوں

کے مطابق مراسمِ عبودیت ادا کرتے ہیں۔ سیاست کے میدان میں محض اہلیت کی بنیاد پر سب طبقات کے سب افراد کے لیے کل مناصب کے دروازے کھلے ہیں۔ معیشت کے میدان میں حرام وحلال سب کے لیے برابر ہیں، معاشرت کے میدان میں صرف تقویٰ ہی معیارِ عزت وتوقیر ہے، وغیرہ۔

زکوٰۃ وصدقات سے سماجی انصاف کا قیام تو اظہر من الشمس ہے۔ امیر اور غریب کے درمیان فاصلے کم ہونے سے سماجی انصاف کی منزل بہت قریب آن لگتی ہے۔ آدھی رات کو امیر المومنین حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے گھر کا دروازہ بجا تو سونے کی اشرفیوں سے منہ تک بھرا تھیلا پکڑے ہوئے شخص نے چار سو میل دور کا علاقہ بتاتے ہوئے کہا کہ وہاں سے یہ مالِ زکوٰۃ ساتھ لایا ہوں، قبول فرمائیں۔ امیر المومنین نے کہا کہ: او اللہ کے نیک بندے! کہیں بانٹ دیا ہوتا، مجھے دینے کے لیے یہاں کیوں پہنچ گیا ہے؟ آنے والے نے جواب دیا کہ خدا کی قسم سارے راستے آواز لگاتا رہا ہوں، لوگو! مالِ زکوٰۃ ہے، کوئی تو لے لو، لیکن اتنے طویل سفر میں کوئی زکوٰۃ لینے والا نہ ملا۔ زکوٰۃ وصدقات کی فراوانی کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کے وعدوں کی یہ تکمیل ہے کہ آدھی رات کو بھی حکمران کے دروازے پر کوئی دربان ونگران نہ تھا، چار سو میل تک نہ صرف یہ کہ کوئی چور ڈاکو نہ ملا، بلکہ کوئی مستحقِ زکوٰۃ بھی نہ تھا اور دیانت داری کا یہ عالم کہ صاحبِ نصاب نے وہ مال واپس بھی لے جانا مناسب خیال نہ کیا اور بیت المال میں جمع کرادیا۔

خلافتِ راشدہ میں محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اپنے بامِ عروج پر نظر آئیں۔ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے جس طرح کا سماجی عدل کا نظام عالمِ انسانیت کے سامنے پیش کیا، ویسا اس آسمان نے پہلے کبھی دیکھا اور نہ ہی شاید تا قیامت دیکھ پائے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پہلے تو ماہانہ مشاہرہ لینے پر آمادہ نہ ہوئے، شورائیت کے نتیجے میں صرف اتنا وظیفہ قبول کیا جو ایک مزدور کی آمدن کے برابر تھا اور دمِ آخریں یہ وصیت کر گئے کہ جتنا کچھ وظیفہ کل دورِ خلافت میں وصول کیا، ترکے میں سے پہلے اس کی ادائیگی کی جائے اور پھر باقی ماندہ جائداد تقسیم کی جائے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا دورِ حکومت کل مؤرخین نے سنہرے حروف سے لکھا ہے، جب روم جیسی سلطنت کا سفیر یہ کہنے پر مجبور ہوا کہ تمہارا حکمران عدل وانصاف کرتا ہے اور بے غم سوتا ہے، جبکہ ہمارے حکمران ظلم وستم کرتے ہیں اور خوف زدہ رہتے ہیں۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے دنیا بھر کی تاریخ کی واحد مثال پیش کی کہ شہادت تو قبول کرلی، لیکن سرکاری اَفواج تک کو اپنی ذاتی حفاظت پر مامور نہ کیا، حالانکہ آپ وقت کے حکمران تھے۔ اور شیرِ خدا حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ جس تھان سے اپنے لیے کپڑا کٹواتے، اسی تھان سے اپنے غلاموں کے لیے بھی کپڑے کٹواتے تھے اور لوگ آقا اور غلام کو ایک ہی طرح کے کپڑوں میں دیکھ کر ششدر رہ جاتے۔

صرف تاریخِ اسلام نے ہی سماجی عدل وانصاف کو اپنے معاشروں میں جگہ دی کہ مسلمانوں

کے عروج سے قبل اور مسلمانوں کے زوال کے بعد پھر ایسی مثالیں انسانوں کے ہاں پیش نہ کی جاسکیں۔ کل انسانی تاریخ میں صرف مسلمانوں کے دورِ اقتدار میں ہی ہندوستان میں خاندانِ غلاماں اور مصر میں مملوک خاندان کے لوگ برسرِ اقتدار آئے اور اس زمین کے سینے پر پہلی بار غلاموں کو اقتدار کے تخت پر براجمان دیکھا۔ ہندوستان میں خاندانِ غلاماں کے بادشاہان دراصل منڈی میں خریدے گئے غلام تھے اور اپنی قابلیت واہلیت کی بنیاد پر سیاست کے اعلیٰ ترین منصب پر فائز ہوئے اور جب ایک بادشاہ اس دنیا سے رختِ سفر باندھ چکتا تو اس کی اولاد کو بادشاہ بنانے کی بجائے عمائدین سلطنت کسی اہل تر فرد کو یہ منصب پیش کرتے، اور یوں یہ سلسلہ آگے کو بڑھ جاتا۔ سلطان محمود غزنویؒ کو ایک شہری نے شکایت کی کہ رات گئے ایک فرد زبردستی اس کے گھر میں گھس کر اس کی بیوی سے زیادتی کرتا ہے، بادشاہ نے کہا کہ اب جیسے ہی وہ تمہارے گھر آئے مجھے بلا لینا، رات گئے بادشاہ اس شخص کے ساتھ اس کے گھر میں دیوار پھلانگ کر داخل ہوا، کمرے میں داخل ہوکر پہلے چراغ گل کیا، پھر اس بدمعاش کا سر قلم کر دیا اور گھر والے سے کہا: فوراً مجھے پانی پلاؤ! اور پھر اس بدمعاش کی شکل دیکھ کر شکر الحمدللہ! کہا۔ گھر والے نے پوچھا: آپ گھر میں دیوار پھلانگ کر کیوں داخل ہوئے؟ بادشاہ نے کہا: دروازے کے راستے کمرے تک پہنچنے میں تاخیر ہوجاتی اور ممکن تھا کہ دروازے سے کھٹکا سن کر وہ بدمعاش فرار ہوجاتا۔ گھر والے نے پوچھا چراغ کیوں بجھایا؟ سلطان محمود غزنویؒ نے جواب دیا کہ: مجھے شک تھا، شاید یہ میرا بیٹا ہوگا، جس کے دماغ میں شہزادگی کا خمار اُسے اس بدمستی پر اُبھارتا ہو، روشنی میں شکل پہچان جانے سے انصاف کے درمیان شفقت پدری حائل ہوجاتی۔ گھر والے نے پوچھا: فوراً پانی کیوں مانگا؟ بادشاہ نے جواب دیا کہ: جب سے تم نے ظلم کی شکایت کی تھی، میں نے انصاف کی فراہمی تک اپنے آپ پر کھانا پینا حرام کر رکھا تھا۔ اور آخر میں اس نے پوچھا کہ: آپ نے شکر الحمدللہ! کیوں پڑھا؟ تو بادشاہ نے کہا کہ: وہ بدمعاش میرا بیٹا نہ تھا، اس پر میں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ مسلمانوں کا ایک ہزار سالہ دورِ اقتدار اس طرح کی بے شمار مثالوں سے بھرا پڑا ہے، حتیٰ کہ فی زمانہ جب کل دنیا میں یہودیوں، عیسائیوں، ہندوؤں اور سیکولر افواج کے ہاتھوں مسلمان گاجر مولی کی طرح کٹ رہے ہیں، تب بھی کسی مسلمان ملک میں ان اقلیتوں پر انتقاماً دست درازی نہیں کی گئی۔

اس سے بھی کہیں زیادہ شاندار مثال حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔ مسلمان افواج نے بغیر کسی اطلاع کے آرمینیا فتح کرلیا۔ وہاں کے پادری نے ایک خط امیر المومنین حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کو لکھا کہ آپ کی افواج نے اسلام کی دعوت اور جزیہ پر آمادگی کی پیشکش کیے بغیر ہمارے شہر پر یلغار کر کے قبضہ کرلیا ہے۔ ہرکارہ جب دارالخلافہ میں وارد ہوا تو آدھی دنیا کا حکمران

اپنے گھر کی دیوار پر گارے کی لپائی کر رہا تھا۔ خط پڑھ کر سیڑھی پر کھڑے کھڑے کاغذ کی پشت پر اسلامی فوج کے کماندار کے نام حکم نامہ لکھ دیا کہ فوج میں سے کسی عالم دین کو قاضی بنا کر اس معاملے کا فیصلہ کرو۔ خط ملتے ہی قاضی تعینات کر دیا گیا، اس نے زوالِ آفتاب کے وقت فریقین کو طلب کر لیا اور پادری کے حق میں فیصلہ سنا کر سپہ سالار کو حکم دیا کہ غروبِ آفتاب سے قبل تمام سپاہیوں سے شہر خالی کروا دیا جائے۔ سب سے آخر میں نکلنے والا فرد وہ قاضی تھا جو سختی سے نگرانی کر رہا تھا کہ شہر خالی کرنے والے کسی سپاہی کے ہاتھوں کسی مقامی پر زیادتی نہ ہو۔ مؤرخین نے لکھا ہے کہ افواجِ اسلامی آرمینیا کی بستی خالی کر رہی تھیں اور شہری ان کی چادریں پکڑ پکڑ کر کھینچ رہے تھے کہ تم ہی یہاں رہو اور حکومت کرو، کیونکہ ہمارے حکمران تو ہم پر ظلم کرتے ہیں۔ اسپین پر مسلمانوں نے آٹھ سو سال حکومت کی۔ یہاں پر مسیحی ملت ہمیشہ اکثریت میں رہی، ایک موقع پر شاہِ فرانس نے مسلمان اسپین پر حملہ کرنا چاہا تو اس نے یہاں کے ہم مذہب عیسائیوں پادریوں کو خط لکھا کہ میں باہر سے حملہ کروں گا، تم اندر سے میرا ساتھ دینا۔ تاریخ نگاروں نے لکھا ہے کہ مسیحی پادریوں نے اپنے ایک اجتماع میں یہ فیصلہ کر کے شاہِ فرانس کو خط میں جواب دیا کہ یہاں ہمیں مکمل معاشرتی، معاشی اور مذہبی آزادی میسر ہے اور ہمارے باہمی نزاعات کا فیصلہ بھی حکومت کی طرف سے مقرر کردہ مسیحی قاضی ہی کرتا ہے، چنانچہ محض حکمرانوں کی تبدیلی کے لیے ہم کسی کشت وخون میں تمہارا ساتھ نہیں دے سکتے۔

مسلمانوں کا ایک ہزار سالہ دور اس کرۂ ارض کے سینے پر سنہری الفاظ سے لکھا جانے والا دور ہے، جب از شرق تا غرب سماجی عدل کے تمام تقاضے بدرجہ اتم پورے کیے جا رہے تھے۔ یہودیوں کی چار ہزار سالہ تاریخ میں ان کے لیے جو بہترین وقت تھا اسلامی دورِ حکومت میں ہی اُنہیں میسر آیا۔ حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کے بعد ان کی اپنی دو ریاستوں اسرائیل اور یہودیہ میں جنگوں کا جو طویل سلسلہ چلا اور ان میں جو بے پناہ خون جو بہایا گیا اس کی مثال بھی شاید مشکل ہو، لیکن بنی اسرائیل نے اپنی تاریخ کا بہترین وقت مشرق میں عباسیوں کا دورِ حکومت اور مغرب میں اُمویوں کا دورِ حکومت تھا، جب ان کی تجارت عروج پر تھی اور بڑے بڑے تعلیمی ادارے اور طبی تربیت کے ادارے بھی ان یہودیوں کے زیرِ نگرانی چل رہے تھے اور ان کو دربارِ شاہی تک براہِ راست دسترس حاصل تھی۔ ایک ہزار سالہ مسلمانوں کے دورِ اقتدار میں بڑی قوم نے چھوٹی قوموں کو سماجی و تعلیمی غلام نہیں بنایا تھا، ایک ملک سے دوسرے ملک میں جانے کے لیے سیروں وزن کے کاغذ نہیں اُٹھانے پڑتے تھے، حکمرانوں اور عوام کا بود و باش ایک ہی تھا، دولت اور اقتدار چند ہاتھوں یا کچھ مخصوص خاندانوں تک محدود نہیں تھے۔ ملوکیت اور خاندانی بادشاہت کے باوجود آج کے سیکولرازم سے کہیں بہتر حالات تھے،

جھوٹی شہرت بازی (پروپیگنڈہ) اور قوموں اور حکومتوں کو بلیک میل کرنے کا رواج نہیں تھا، بیک ڈور ڈپلومیسی کے نام پر عالمی منڈی میں اقوام کی خرید وفروخت کے بازار کہیں نہیں لگتے تھے، تعلیم اور علاج کے نام پر کاروبار نہیں چمکائے جاتے تھے۔ یہ سب سیکولر تہذیب، سرمایہ دارانہ نظامِ معیشت اور مغربی نظامِ جمہوریت کے مکروہ نتائج ہیں، جن کے باعث مسلمانوں کے قائم کردہ سماجی انصاف والے معاشروں کی جگہ آج پوری دنیا کے دریاؤں میں از شرق تا غرب پانی کی جگہ انسانی خون بہہ رہا ہے۔

ہندوؤں نے چار ذاتوں کی آڑ میں سماجی انصاف کو ذبح کر دیا، بدھوں نے برما میں سینکڑوں نہیں، ہزارہا مسلمان عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کا قتلِ عام کیا اور ان کی بستیاں اور املاک نذرِ آتش کیں اور مسلمانوں کی عبادت گاہوں تک کو نیست ونابود کر کے سماجی انصاف کا قلع قمع کر دیا، عیسائیوں کے کسی فرقے کا پوپ آج تک ایشیا یا افریقہ سے نہیں آیا، حالانکہ اس مذہب کے اکثریتی پیروکار ان دونوں براعظموں سے تعلق رکھتے ہیں اور صلیبی جنگوں وسقوطِ قرطبہ سے آج تک دامنِ صلیب انسانی خون سے رنگا رنگ ہے۔ یہودیوں نے تو انبیاء علیہم السلام جیسی ہستیوں کے بھی قتل سے دریغ نہ کیا تو باقی عدل وانصاف کے تقاضے وہ کہاں سے پورے کریں گے؟! جب کہ سیکولرازم تو ان سب سے بازی لے گیا ہے، جس نے بدترین اخلاقی وعلمی بددیانتی سے ان مذاہب کے عمدہ ترین تصورات کو چوری کر کے اپنے نام سے منسوب کر لیا ہے اور کذب ونفاق اور ظلم وستم کی وہ داستانیں رقم کی ہیں کہ الأمان و الحفیظ۔ انتہا تو یہ ہے کہ دیگر مذاہب بظاہر جو نظر آتے ہیں حقیقت میں بھی کم وبیش وہی ہوتے ہیں، جبکہ سیکولرازم انسانیت کا نعرہ لگا کر انسانوں کے خون سے ہولی کھیلتا ہے، جمہوریت کا نعرہ لگا کر آمریت کو مسلط کرتا ہے اور اسی طرح عدل وانصاف کا جھانسا دے کر ظلم وبربریت اور کشت وخون کا بازار گرم کرتا ہے۔ آلودگی کے نام پر معاشی جنگ، خاندانی منصوبہ بندی کے نام پر معاشرتی جنگ، حقوقِ نسواں کے نام پر بدکاری کا فروغ، ''چائلڈ لیبر'' کے نام پر خاندانوں کی بربادی، تعلیم کے نام پر جہالت بھری سیکولر تہذیب کا پرچار اور گلوبلائزیشن کے نام پر کل انسانیت کو تہذیبی وثقافتی غلامی کی زنجیروں میں ناک تک جکڑ لینا، اس سیکولرازم کا ننگِ انسانیت تاریخی کردار ہے۔ پس اب تو تاریخِ انسانی اس بات پر گواہ ہے کہ انسان نقصان میں ہے سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے، نیک عمل کیے، حق بات کی نصیحت کی اور صبر کی تلقین کی۔ سماجی انصاف صرف ایک ہی صورت میں اس عالمِ انسانیت کا مقدر بن سکتا ہے جب قرآن وسنت کے اقتدار کا سورج مشرق سے طلوع ہوگا اور وہ وقت اب قریب ہی آن لگا ہے، ان شاء اللہ تعالیٰ!